Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 17. Issue 01, June 2025

تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

Received: 15th Feb, 2025 | Accepted: 11th June, 2025 | Available Online: 30th June, 2025
Digital Object Identifier:

اکیسویں صدی کے امریکی اسفار پر مبنی سفر ناموں کا سیاسی اور سماجی جائزہ

The Political and Social Analysis of Travelogues based on American Travels in the 21st Century

NAYAB TAHIR
PhD Research Scholar, Department of Urdu, University of Education, Lower Mall Campus, Lahore, Pakistan.
(nayaburdu@gmail.com)

ABSTRACT A travelogue is a unique literary form in which an author documents a journey while offering detailed observations of both external landscapes and internal reflections. Traditionally, travelogues focused on geographic descriptions and cultural details, but modern travel narratives have evolved to explore politics, society, economy, and cultural shifts through a research-driven approach. In the 21st century, American travelogues have become more diverse in themes and styles, providing insightful and thought-provoking literary experiences. These works go beyond tourism, delving into issues such as immigration policies, racial discrimination, white supremacy, migration, cultural evolution, foreign policy, terrorism, geopolitical tensions, and media influence on public opinion. Despite highlighting challenges, travel writers also appreciate America's strengths, including punctuality, lawfulness, cleanliness, discipline, personal freedom, and the protection of human and animal rights. These virtues have contributed to America's global influence. Ultimately, American travelogues serve as a window into the nation's complexities, helping readers critically analyze its societal and political landscape while also recognizing its positive aspects.

Keywords Travelogues, Political, Social, Sociopolitical, American, Discrimination.

انکشافِ ذات اور کائنات کی دریافت دونوں کے لیے سفر ایک بہترین وسیلہ ہے۔ سفر نامہ ایسی نثری صنفِ ادب ہے جس میں کوئی مصنف، کسی مخصوص علاقے یا ملک کا سفر کرتا ہے تو اپنے خارج اور داخل کی دنیا کا مطالعہ ومشاہدہ پیش کرتا ہے۔ جدید سفر نامے محض سیر وسیاحت یا جغرافیہ کی معلومات کے بجائے سیاست، ثقافت، معاشرت اور معیشت سے متعلق تحقیق پر مبنی فن پارے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید کے مطابق سفر نامہ کی تعریف کچھ یوں ہے کہ:

> "سفر نامہ سفر کے تاثرات، حالات اور کوائف پر مشتمل ہوتا ہے۔ فنی طور پر سفر نامہ وہ بیانیہ ہے جو سفر نامہ نگار سفر کے دوران یا اختتامِ سفر پر اپنے مشاہدات، کیفیات اور اکثر اوقات قلبی واردات سے مرتب کرتا ہے۔ اس صنفِ ادب کا تمام تر مواد موجود منظر کے گردوپیش میں بکھرا ہوتا ہے۔"(۱)

OPEN ACCESS
This work is licensed under a [Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)]

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 17. Issue 01, June 2025

ایک صاحبِ نظر جب کسی ملک کی روداد تحریر کرتا ہے تو وہ اسکی معاشرت اور طرزِ حیات کے تمام زاویوں کو پیش کرتا ہے، اس حوالے سے "سماج" اور "سیاست" دو اہم زاویے ہیں۔ سماج انسانوں کے اس بڑے گروہ کو کہتے ہیں جو آپس کے باہمی میل جول کے اعتبار سے مخصوص رسم و رواج، اور اَقدارِ حیات کا حامل ہو۔ اِسی طرح سیاست عوام کے اُمور کی اصلاح، مُلک کے کاموں کی تدبیر، مُلک کے داخلی اور خارجی اُمور کی نگرانی کو کہتے ہیں۔ نئی صدی میں مختلف مُلکوں کے سیاسی منظر نامے پر بہت تیزی سے تبدیلیاں آئی ہیں جس نے عالمی سیاست پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ اسی طرح مختلف مُلکوں کے سماجی نظام پر بھی تبدیلیوں کے نُقوش ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں مگر اس کے باوجود مختلف سماجوں کی انفرادی شناخت قائم ہے۔ امریکہ عالمی منظر ناموں کے حوالے سے اہم ملک ہے، جس کی سیاست اور سماج بین الاقوامی سطح پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس تحریر میں اکیسویں صدی کے چار مختلف امریکی سفر ناموں میں پیش کردہ سیاسی و سماجی تصوّرات کا جائزہ لیا جائے گا کہ یہ سفر نامے امریکی زندگی سمجھنے میں مدد و معاون ہیں۔

فاروق عادل کے سفر نامے "ایک آنکھ میں امریکہ" میں واقعات کے ادبی اسلوب پر مبنی بیانیے نے اسے معلوماتی خزینے سے بڑھ کر مقام عطا کیا۔ فاروق عادل سمیت صحافیوں کا گروہ جب اسٹڈی ٹور پر امریکا پہنچا تو ان کی سیاحت کو ضیاء شاہد نے "اندر کا سفر" قرار دیا۔ ڈاکٹر طاہر مسعود نے ان کے سفر نامہ پر تبصرہ کیا کہ:

> "ان کے سفر نامے سے امریکی زندگی، اس کی تہذیب و معاشرت، سیاست و تمدن کے بارے میں ہماری معلومات میں خاصا اضافہ ہوتا ہے۔"(۲)

ابراہم لنکن کا مجسمہ دیکھتے ہوئے مصنف نے اپنے سماجی شعور کی بنا پر سرکاری املاک اور عوامی جگہوں سے متعلق امریکی عوام کے اجتماعی رویے کو سراہا کہ کس طرح وہ یادگاریں بناتے اور محفوظ رکھتے ہیں۔ امریکن سسٹم "اپنی جیب اپنا کھانا" اب پاکستان میں بھی سرایت کرگیا ہے۔ مصنف کو کوئی ایسا آفس یا کلرک نہ ملا جس کے پاس سفارشی خطوط کے انبار لگے ہوں۔ امریکہ کو اس مقام تک پہنچنے کے لیے عوام کی کرپشن فری سرکاری نوکریوں کے انقلاب سے گزرنا پڑا تھا۔ وہاں ایوان کے تالے کھولنے کے لیے کسی سپیکر کی اجازت کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔ وہاں کے ایک سینیٹر نے مصنف کو بتایا کہ:

> " گھریلو اخراجات پورے کرنے کے لیے اس نے ایک ٹرک خریدا ہوا ہے جس سے وہ بار برداری کا کام لیتا ہے مگر ذاتی استعمال کی، گھر کے لیے کوئی گاڑی بھی نہیں ہے اور پورا خاندان پبلک ٹرانسپورٹ کا استعمال کرتا ہے۔"(۳)

مصنف کے مطابق امریکہ اپنے مفادات و مقاصد کے پیشِ نظر سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کر دیتا ہے۔ جیسے صدر بش نے عراق جنگ کی تمام تر ذمہ داری سی آئی اے کی غلط رپورٹنگ پر ڈال دی جس کی بنا پر امریکہ بقاء کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے اسلحہ تلاش اور تلف کرنے عراق پر حملہ آور ہوا۔ مصنف فقیروں کی بابت بتاتے ہیں کہ اس سماج میں بھی زبردستی خیر وصول کرنے والے فقیر ہیں، جن کو اگر خیرات نہ دو تو جان دینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ واشنگٹن کے نواح میں بغیر چار دیواری منگتوں کے گھر تھے جن کی ضروریات یا تو کچرے کے ڈھیر سے یا پھر مانگ تانگ کر پوری ہوتی ہیں۔

مصنف نے "ویتنام میموریل" میں جب کسی کو پھولوں سمیت دیکھاتو اسے امریکہ کے خاندانی نظام کی باقیات کا ثبوت گردانا۔ افغانستان سے فوجیوں کے آئے لاشوں سے دلبرداشتہ عوام نے حکومت سے جنگ بندی چاہی توامریکی جنگی پالیسی ہی بدل گئی کہ کم سے کم فوجی ہلاکتیں ہوں اور عوام کا کم سے کم احتجاج ہو۔امریکی ماہرینِ دفاع سے تبادلہ خیال سے مصنف کو اندازہ ہوا کہ وہ افغانی طالبان کو اپنا حریف سمجھتے ہوئے اسامہ بن لادن کو مارنے کے خواہش مند تھے۔پاکستانی صحافیوں نے جب میزبانوں سے کشمیر پر گفتگو کرنا چاہی توانھوں نے صرف مسئلہ افغانستان پر ہی بات کی۔مصنف سمجھتے ہیں کہ امریکہ صرف اپنی بالادستی کا خواہاں ہے اور اپنے ہدف کو بہر طور حاصل کرلیتا ہے۔جس طرح روس اور چین نے امریکہ ویتنام آگ بھڑکائی تھی اسی طرح امریکہ نے افغانستان کو روس کے مدمقابل کرکے اسے روس کا ویتنام بنادیا۔

مصنف نے جب اداریہ نویسوں کے سامنے اعتراض رکھا کہ امریکہ نے ایف سولہ طیاروں کے معاہدے میں ادائیگی کے باوجود پاکستان کو طیارے بھی فراہم نہ کئے اور رقم بھی واپس نہ دی تو ایک امریکی اداریہ نویس نے اپنی ڈائری پر نوٹ کرنا شروع کیا جیسے وہ اس سے بے خبر ہو۔واشنگٹن کے صحافی یہودی لابی کے زیرِ سایہ پاکستانی ایٹمی اثاثوں کے خلاف اخبارات میں مضامین شائع کرتے اور کرواتے ہیں۔گویا مصنف کے مشاہدے میں یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں تھی کہ:

"امریکہ میں صحافت کی غیر جانبداری کا تصور بس تصور ہی ہے۔"(۴)

امریکی اخبارات میں پروپیگنڈے سے یہودی،رائے عامہ اپنے حق میں ہموار کرتے ہیں لیکن عوام حق بات میں اپنی حکومتوں کے سامنے بھی ڈٹ جانے والی ہے۔مصنف کی ملاقات وہاں ایک "پروفیشنل پروٹیسٹر" سے ہوئی جو عالمی سطح کی زیادتیوں کے خلاف مظاہرین میں شامل تھی۔ان دنوں وہ فلسطین کے حق میں احتجاج کررہی تھی،جبکہ امریکی اخبارات میں تصویروں کے ساتھ خبریں کچھ یوں تھیں کہ:

"یہ معصوم بچہ فلسطینیوں کی بے رحمانہ گولہ باری سے زخمی ہوا۔۔۔ہر روز کتنے ہی بچے ہوتے ہیں
جو اس طرح فلسطینیوں کی انسانیت دشمن کارروائیوں کا نشانہ بن جاتے ہیں۔"(۵)

خودپسندی کے احساس میں مبتلا امریکہ دنیا کے مقابل نہیں آتا،بلکہ اپنی ہی باون ریاستوں کے مابین مقابلے کرواتا ہے۔مصنف کی جب ایک عام امریکی شہری سے ملاقات ہوئی تو اس نے پاکستانی سیاست کی بے اصولی،ذاتیات اور دھاندلی پر کئی سوالات اٹھائے۔مصنف کی سیاسی بصیرت نے یہ باور کروایا کہ اس بات کی ذمہ دار کافی حد تک امریکی حکومت ہے۔امریکہ میں بھی جب صدارتی انتخابات میں بُش ہار گیا تھا تو عدالت نے اسے کامیاب قرار دے دیا۔اب امریکی سیاستدان بھی ایک دوسرے کی ذاتیات پر حملہ آور ہوتے ہیں مثلاً بُش سینئر کی پہلی انتخابی مہم میں اس کے مخالف امیدوار نے تقریر میں کہا کہ:

"اس سے زیادہ خارجہ پالیسی تو میرا کتا جانتا ہے۔"(۶)

امریکہ کی ترقی کا سامان جابجا دِکھتا ہے لیکن یہ ایسی قوم ہے جو باوجود ترقی کے تیرہ کے ہندسے سے خوف کھاتی ہے۔قانون کی بالادستی اور صفائی کی خوبی ایسی کہ تمام خامیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے کافی ہو۔ایک عام شہری کے لیے بھی بہترین ایمبولینس فوراً ہسپتال

پہنچانے آجاتی ہے جبکہ پاکستان میں تو ایسی سہولت بانی پاکستان کو بھی میسر نہ تھی۔ ایسی باتوں کے موازنے پر مصنف کو شرمندگی محسوس ہوئی۔ آزادانہ جنسی فعالیت اس معاشرے کی عام پہچان ہے۔ خواتین کا برائے نام لباس، مردوزن کا اختلاط اور جوڑوں کا ہر جگہ دنیاومافیہا سے بے خبر ہونا یہاں کی زندگی کے معمولات ہیں۔ مصنوعی ذہانت والی گڑیاؤں نے آدمی کو صحبت دے کر عورت سے بیگانہ کر دیا ہے۔

فاروق عادل نہ تو امریکہ سے مرعوب نظر آتے ہیں اور نہ ہی متنفر۔ جہاں اس قوم کی خوبیوں کو تسلیم کرتے ہیں وہیں ان کی کج فہمیوں، دہرے معیار زندگی اور مادیت پرستی کو بھی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ جہاں مصنف نے امریکی عوام کے شعور کی بات کی، ان کی انسانی ہمدردی کو سراہا وہیں ان کی توہم پرستی کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔ جہاں مصنف نے ان کے تاریخی عظیم واقعات و شخصیات کو یاد رکھنے کا ذکر کیا وہیں ایٹمی تباہی کو فراموش کر کے خود ساختہ جنگوں میں کودنے کی بھی بات کی۔ مصنف کا سیاسی و سماجی شعور حقائق پر مبنی سفر نامے کی تکمیل میں مددگار ثابت ہوا، جس کی بدولت ان کی ادبی حیثیت کو وقت کے دانشوروں نے بھی سراہا۔ بقول جاوید چودھری:

"میں نے فاروق عادل کا یہ سفر نامہ پڑھا تو مجھے محسوس ہوا کہ شہرت کی دیوی میرے سمیت اس ملک کے بے شمار رائٹرز، کالم نگاروں اور مصنفوں کے آستانے سے اٹھ کر فاروق عادل کی طرف بڑھ رہی ہے اور اگر یہ ایک بار اس کے قابو میں آگئی تو پھر پٹھان کی بیوی کی طرح کوئی مصنف اس کی شکل نہیں دیکھ سکے گا۔"(۷)

رضاء الحق صدیقی کا سفر نامہ "دیکھا تیرا امریکہ" ایسے مسافر کی داستان ہے جو فطری حسن سے حظ اٹھاتے ہوئے انسانی کارگزاریوں اور انتظامی امور کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ صحافت سے تعلق نے ان کی تحریر کو تاثیر اور سادگی بخشی۔ وہ اپنے احساسات و تجربات سے قارئین کے تجسس کو ابھارتے ہوئے ادبی ذوق کی تسکین کر جاتے ہیں۔ تیسری دنیا کے لوگوں کے لیے، ترقی یافتہ ممالک کے قوانین ایسے عجیب ہیں کہ امریکی امیگریشن افسر بلاجواز کسی پر بھی امریکہ داخلے پر پابندی لگا سکتا ہے۔ امریکی جغرافیہ پر صدیقی صاحب کا تبصرہ کچھ یوں تھا کہ میری لینڈ، واشنگٹن اور ورجینیا، راولپنڈی اسلام آباد کے مانند جڑواں ریاستیں ہیں۔ امریکہ میں حلال سٹورز ڈھونڈنا اور ان تک جانا ناممکن نہیں پر مشکل ضرور ہے۔ وہاں کے سرمایہ دارانہ نظام میں مذہب اور اس کے تہوار ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ مصنف کو مسجد اور اذان کے بغیر وہاں رمضان کا آخری ہفتہ اور روزِ عید بڑا بے رونق سا لگا۔ مصنف نمازِ عید پڑھنے مسلم کمیونٹی سینٹر پہنچے تو انہیں لگا کہ جیسے مسلمان کوئی پکنک منانے آئے ہوں۔ بقول مصنف:

"مرد عورتیں بچے سبھی وہاں تھے، زیادہ تر لوگ مغربی لباس میں ہی تھے لیکن بہت سی فیملیز پاکستان کے قومی لباس میں بھی تھیں جن میں ہم بھی شامل تھے۔ آٹھ دس دن کے بعد شلوار کُرتے میں امریکہ میں پھرنا اچھا لگ رہا تھا۔"(۸)

وقت کی پابندی اور نظم وضبط اس سماج کا خاصہ ہے۔ گاڑیاں بے شمار ہیں لیکن مجال ہے جو ہارن کی بے جا آوازیں ہوں یا گاڑی اپنی مخصوص جگہ سے ہٹ کر پارک ہو۔ مصنف صفائی ستھرائی کا اہتمام اور قانون کا احترام کرنے والی پودوں پارکوں کی شوقین قوم سے متاثر ہوئے۔ ان کے مطابق:

"یہ نیچر سے پیار کرنے والی قوم ہے۔ یہاں ہر طرف ہریالی بکھری ہے۔ درختوں کی بہتات ہے۔
ہر طرف گھنے جنگل نما پارک ہیں۔"(۹)

منٹگمری کاؤنٹی میں موجود "بروک سائیڈ بوٹینیکل پارک" کے میموریل پتھروں پر دہشت گردی کا شکار ہونے والے دس معصوم افراد کے نام کندہ تھے گویا اول درجے کا ملک بھی اس لعنت سے محفوظ نہیں۔ باربردار اور مسافر بردار طیاروں سے ہوتے ہوئے بات جب ڈرون تک پہنچتی ہے تو اس کی بنیاد رائیٹ برادران کا جہاز ہی تھا۔ مصنف کی سیاسی بصیرت اس بات کی گواہ ہے کہ صدر بش اور اوباما کے دور میں پاکستان میں ڈرون حملوں میں اضافہ ہوا۔ امریکی سماج میں جس قسم کی موسیقی اور بینڈز پسند کیے جاتے ہیں معمر اور باذوق افراد تو اسے شور شرابا ہی کہتے ہیں۔ پاکستانی نوجوان بھی اب اس قسم کی موسیقی اور سیلفی کلچر کے دلدادہ ہیں۔ یہاں عوامی مقامات پر نوجوان لڑکیاں رقص کا مظاہرہ کرتی ہیں تو سکّوں اور ڈالروں کی بارش ہو جاتی ہے۔

مصنف دریائے پوٹامک کی جغرافیائی صورتحال کی بدولت اسے انواع واقسام تہذیبوں کا حامل ٹھہراتا ہے۔ ایک طرف کوئلہ کے کان کن تو دوسری طرف شہری علاقے، ایک طرف دارالخلافہ کے رہائشی تو دوسری طرف مچھیروں کی ثقافت ہے۔ یہ قوم کتوں کے ساتھ خصوصی التفات رکھتی ہے، جن کی حیثیت، حقوق اور سہولیات تیسری دنیا کے انسانوں سے بھی بڑھ کر ہیں۔ امریکی عوام کام کے دنوں میں ڈٹ کر کام کرتے ہیں اور پھر ویک اینڈ پر تفریح کرتے ہوئے بچت بالکل بھی نہیں کرتے۔ مصنف کے خیال میں اگر اس معاشرت میں ایک بچہ تیرہ سال کے بعد والدین کی ذمہ داری نہیں رہتا ہے تو بڑھاپے میں بچے بھی والدین کو اولڈ ہوم بھجوا دیتے ہیں۔ امریکہ میں طلاقیں میاں بیوی میں سے کسی ایک کے آوارہ یا بانجھ پن کے سبب ہوتی ہیں۔

مصنف نے سمندری جزیرے پر کھڑے مجسمۂ آزادی کو دیکھا جسے ۱۹۲۴ء میں قومی یادگار بنایا گیا۔ اس مجسمہ کے سر پر تاج اور چغے سے نکلے دائیں ہاتھ میں مشعل اور بائیں میں کتاب ہے جس پر امریکہ کی تاریخِ آزادی کندہ ہے۔ اس کے پیروں کی ٹوٹی زنجیریں ظلم اور جھوٹ کے خاتمے کی علامت ہیں۔ مصنف امریکہ فرانس تعلقات پر سیاسی تبصرہ کرتے ہیں کہ:

"یہ مجسمہ ساز فیڈرک آگسٹی برتھولڈی کا سوچا ہوا خیال، فرانس کی طرف سے دوستی کا تحفہ اور
دو قوموں کے درمیان آزادی کے لیے کمٹمنٹ کا نشان ہے۔"(۱۰)

امریکہ کے ایلس آئی لینڈ جزیرہ کو "گیٹ وے ٹو امریکہ" بھی کہا جاتا ہے جہاں تارکینِ وطن کی کشتیاں لنگر انداز ہوتی تھیں۔ امریکی قوم اور حکمران اپنے قدرتی حسن اور انسانی تعمیرات کو سنبھالنے میں ماہر ہیں کہ یہی ان کا کُل اثاثہ ہے۔ مصنف اپنی سماجی اور سیاسی بصیرت پر مبنی رائے دیتے ہیں کہ:

"امریکہ اک نئی دنیا ہے جس کے پاس کوئی ماضی نہیں، صرف حال ہے اور اسی حال میں جو کچھ
اس کے پاس ہے، امریکیوں کو اسی کو سنبھالنا ہے۔"(۱۱)

مصنف القاعدہ کے دو طیارے ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرانے اور ایک طیارے کو پینٹاگون پر گرانے پر ہزاروں بے گناہ افراد کی موت پر افسوس کرتے ہیں۔ جگہ چاہے ورلڈ ٹریڈ سنٹر ہو یا ہیروشیما، ناگاساکی یا افغانستان اور اعراق، معصوم انسانیت ظلم کا شکار ہے۔

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 17. Issue 01, June 2025

اس حادثہ پر امریکی قوم کا ردعمل کچھ یوں تھا کہ:

"وہ اس سانحہ سے اپنی جگ ہنسائی نہیں چاہتی، جتنا ماتم انھوں نے کرنا تھا وہ کر لیا اب وہ ماتم کروانے کے درپہ ہے۔ اس تباہ شدہ حصے پر اب امریکی نہیں آتے صرف سیاح آتے ہیں۔"(۱۲)

امریکی سماج پر گہری نظر ڈالتے ہوئے مصنف اپنے قارئین کو آگاہ کرتے ہیں کہ امریکی قانون کے مطابق ہر ایک کو شخصی آزادی حاصل ہے۔ حکومت کو اختیار نہیں کہ وہ عوام کی ذاتی زندگی پر اپنے فیصلے مسلط کرے۔ اس روش کی حد ہم جنس پرستی کو قانونی قرار دینا ہے۔ مصنف نے مین ہاٹن میں کالوں کی بستی، ہارلیم دیکھی جہاں ہالینڈ کے باشندے آکر آباد ہوئے تھے۔ وہاں جا بجا کوڑے کے ڈھیر میں میلے کچیلے لوگ تیسری دنیا کے باشندے لگ رہے تھے۔ مصنف ان افراد پر سماجی اور معاشرتی تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

"یہاں رہنے والے کالے، زندگی سے بیزار نظر آتے تھے۔ یہ لوگ بہت کم بولتے یا خلاؤں میں گھورتے نظر آئے یا سفید فاموں سے نفرت کا اظہار کرتے۔ اس علاقے میں رہنے والوں کو ہر سفید چیز سے نفرت ہے۔ یہاں غریبوں، بے کاروں اور بیروزگاروں کی اکثریت ہے۔"(۱۳)

"دیکھا تیرا امریکہ" رضاء الحق صدیقی کا ایسا سفر نامہ ہے جس میں مصنف امریکی سماج اور معاشرت کا بنظر غائر مطالعہ کرتے ہوئے قارئین کو اپنے جذبات اور کیفیات سے آگاہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ تخیلاتی فضا ہموار کرنے نے ان کے سفر ناموں کو تخلیقیت سے بھرپور بنا دیا ہے۔ یہ سفر نامہ ایک ایسا معاشرتی اور تہذیبی مکالمہ ہے جس میں اگر امریکہ کے ظاہری حسن کو سراہا گیا ہے تو اس کے سماجی تضادات و مذہبی تعصبات اور سیاست کے سرمایہ دارانہ نظام پر کڑی تنقید بھی کی گئی ہے۔ مختصر یہ کہ رضاء الحق صدیقی کی یہ تحریر امریکی سماج اور سیاست کو سمجھنے کا ایک اہم ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔ مختلف ممالک کی سیر کرتے کرتے ان کی تہذیب و ثقافت، معاشرت و معیشت، سیاست و قانون کا مشاہدہ کرنا کوکب خواجہ کا دل پسند کام بن گیا۔ امریکہ کی سیاحت سے قبل انھوں نے وہاں سے متعلق بھرپور معلومات حاصل کیں۔ اپنے علم کو تجربے اور مشاہدے کی بنا پر پرکھتے ہوئے ایک معتبر رائے قائم کرنا ان کی سیاسی، تاریخی اور سماجی آگہی کا بین ثبوت ہے۔ ادبی حس سے کام لیتے ہوئے اپنی آرا، احساسات اور تجربات کو ضبطِ تحریر میں لانا ان کے اس سفر نامے "ہیلو امریکہ" کی خصوصیت ہے۔ کوکب خواجہ کو امریکہ میں ہر جگہ قدرتی مناظر دیکھتے ہوئے اپنے وطن کی یاد آجاتی ہے۔ میری لینڈ اور پیٹرس برگ کے سبزہ زار، گلیات کی جبکہ پہاڑی کے اطراف بل دار سڑک سے شہر کے نظارے پر انھیں مارگلہ ہلز سے اسلام آباد کا نظارہ یاد آگیا۔ حتیٰ کہ ایک جگہ تو انھیں اپنے گھر کا ہو بہو نقشہ لگی۔ بقول مصنفہ:

"ایک پوائنٹ ایسا بھی تھا جہاں سے جب بھی میں گزرتی تھی ہمیشہ کہہ اٹھتی! اوہ یہ تو بالکل ڈونگہ گلی میں ہمارے سمرہاؤس کی طرح کا نظارہ ہے۔ مجھے دنیا کے ہر ملک میں کہیں نہ کہیں اپنے ملک کی جھلک ضرور دکھائی دے جاتی ہے۔"(۱۴)

کوڑا پھینکنے اور اٹھانے کا منظم نظام دیکھ کر انھیں اپنے وطن کے کچرا دانوں سے باہر کا ڈھیر یاد آجاتا ہے۔ کوکب خواجہ یہاں کی معاشرت اور رہن سہن پر بھرپور تبصرہ کرتی ہیں کہ دراصل امریکہ 'فرسٹ ورلڈ' ہے کیونکہ یہاں انسان کیا جانوروں کا بھی خیال رکھا

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 17. Issue 01, June 2025

جاتا ہے۔ جانوروں کا سرکاری یتیم خانہ ہے، جہاں چرند پرند حتیٰ کہ کیڑے مکوڑے بھی موجود ہیں۔ اس صورتِ حال کو مصنفہ مضحکہ خیز انداز میں یوں بیان کرتی ہیں کہ:

"ایک کہاوت ہے فلاں سے جانوروں سے بدتر سلوک کیا جاتا ہے۔ اب اس کہاوت کو یوں کہنا چاہئے کہ کاش امریکہ کے جانوروں جیسا سلوک کیا جائے، بے شمار لوگ انسانوں کی بجائے جانوروں جیسے سلوک کو ترجیح دینے لگیں گے۔"(۱۵)

مصنفہ نے وہاں کے سماج اور ثقافت کا مشاہدہ کرتے ہوئے بتایا کہ امریکہ میں مختلف موسمی پرندوں کی آمد پر تہوار ہوتے ہیں۔ شائقین اس ثقافت سے خوب لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یہ مصنفہ کی سماجی بصیرت تھی کہ جس کے سبب انھیں مختلف ممالک اور قومیتوں کے لوگ صرف امریکی ہی لگے۔ اس سرزمین میں چینی، جاپانی، انڈین، افریقی سب اپنی اپنی پہچان رکھنے کے باوجود امریکی ہیں۔

واشنگٹن کے نواح میں مصنفہ نے افریقی امریکنز (کالوں) کا علاقہ بھی دیکھا جو اُن غلام مزدوروں کی نسلیں ہیں جنھیں تعمیر شہر کے بعد حکومت نے وہاں مستقل رہنے دیا۔ گویا امریکی حکومت کی تاریخ عوام دوست اقدامات کی طرف دار بھی نظر آتی ہے۔ ڈینش اور ہالینڈ کی تہذیب کا حامل شہر سولوانگ (Solvang) آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی قدیم تہذیب کا نمونہ ہے۔ یہاں "لِٹل بنگلہ دیش" غالباً بنگلہ دیشیوں نے ہی اپنے وطن کے نام پر آباد کیا ہو گا۔

مصنفہ نے امریکی سماج کا گہرائی سے مشاہدہ کیا اور قارئین کو آگاہ کیا کہ امریکہ میں ویک اینڈ پر کسی تہوار کی طرح بچے الگ پرجوش ہوتے ہیں اور والدین الگ۔ مصنفہ آزادانہ زندگی گزارنے کے حق میں کی جانے والی پریڈ کا نظارہ کرنے سپین، ریمون سے سان فرانسسکو تک گئیں جہاں ہر رنگ و نسل کے انسانی حقوق کے داعی تھے۔ مرد عورتوں کی طرح بنے سنورے اور لڑکیاں تقریباً بے لباس۔ ہر انسان کو ہر طرح سے جینے کی آزادی میسر ہے۔ مصنفہ امریکی عوام کا موازنہ تیسری دنیا کے باشندوں سے کرتے ہوئے سوچتی ہیں کہ:

"یہ آزاد دنیا ہے مرضی سے جئیں اور مرضی سے اپنا کام کریں۔ ہم تھرڈ ورلڈ کے لوگ تو زندگی گزارتے ہی دوسروں کی مرضی سے ہیں۔۔۔ ہمارے سروں پر صرف ایک فقرے کی تلوار لٹک رہی ہوتی ہے کہ لوگ کیا کہیں گے، اور اسی میں زندگی گزر جاتی ہے۔"(۱۶)

لاس ویگس امریکی ریاست نویڈا کا شہر دنیا بھر میں جوئے خانوں، شاپنگ، اعلیٰ کھانوں اور نائٹ کلبوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہ امریکہ کا امیر ترین، سیاحوں کی جنت کہلانے والا شہر ہے جو تفریح کے لحاظ سے دنیا کا کیپٹل یا Sin City یعنی "گناہوں کا گڑھ" بھی کہلاتا ہے۔ مصنفہ امریکی خواتین کی تگ و دو دیکھتی ہے اور اپنے سماجی شعور کی بدولت پاکستانی عورت سے اس کا موازنہ کرتے ہوئے تبصرہ کرتی ہے کہ:

"یہاں پر دیگر گھریلو مصروفیات تو اپنی جگہ ہیں جن میں کوکنگ، لانڈری، استری، گراسری، گھر کی صفائی وغیرہ شامل ہے۔ اس کے علاوہ خواتین کی بڑی اہم ذمہ داری ڈرائیونگ بھی ہے۔"(۱۷)

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 17. Issue 01, June 2025

وہاں کی خواتین کا موضوع سخن حالیہ فیشن اور جھوٹی قسم کی تعریفیں نہیں بلکہ بچوں کی نصابی و ہم نصابی سرگرمیوں سے لے کر انتخابات تک ہوتا ہے۔ وہاں تعلیمی اداروں کی کارکردگی کی بنیاد پر اردگرد کا علاقہ مہنگا یا سستا ہوتا ہے۔ مصنفہ نے امریکی عوام کو قانون کی پاس داری کرنے والا پایا۔ انھوں نے دیکھا کہ کیلی فورنیا کے مکینوں کو ایک "ایمرجنسی کارڈ" ملا جس میں پانی کے پچیس فیصد استعمال میں کمی کا کہا گیا۔ قانون کی خلاف ورزی پر کسی ہمسائے کی طرف سے شکایت ہو جائے تو بھاری جرمانہ ادا کیے بنا چارا نہیں۔ نظم وضبط کا اعلیٰ معیار ہی ہے جس نے اس قوم کو برتر بنا دیا۔ مصنفہ ٹرام پر سفر کے دوران ایک ہجوم کا احوال بتاتی ہیں کہ:

> "میں پیچھے نظر دوڑاتی ہوں لمبی قطار ہے مگر کمال صبر سے ہر کوئی کھڑا ہے۔ مجال ہے پیچھے سے آگے آنے کی کوشش کوئی کرے۔ چینی، جاپانی غرض ہر ملک کی الگ الگ صورتیں تو ہیں مگر کہلاتے سبھی امریکی ہیں۔"(۱۸)

مصنفہ امریکی سماج پر پُر مغز تبصرہ کرتے ہوئے بتاتی ہیں کہ یہاں کے چھوٹے چھوٹے بچوں میں بھی اعتماد اور ذہنی بلوغت دکھائی دیتی ہے۔ خود داری اور خود انحصاری کا جو سبق اس معاشرے میں ہے وہ یہاں کے نوجوانوں کو قبل از وقت ذمہ دار بنا دیتا ہے۔ کوکب خواجہ اپنے ملک کے نوجوان کا مقابلہ امریکی نوجوان سے کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ:

> "پاکٹ منی بنانے کے لیے کوئی بھی کام خواہ کسی ریسٹورنٹ میں صفائی کا کام کریں یا پھر بیرا گیری۔ کسی کام کو کرنے میں انھیں عار نہیں ہوتا۔ میں اپنے ہاں کے بچوں کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ صاحبِ حیثیت والدین کے بچے ایسے کام کرنے پر کبھی تیار ہوں۔"(۱۹)

مصنفہ نے واشنگٹن ریاست کے شہر Seatle کو عوامی سرگرمیوں کا مرکز قرار دیا۔ وہاں مختلف قسم کے میلوں اور تہواروں میں پانی کے جہازوں کی ریس، بوٹنگ، ایئر شو، فلم فیسٹیول، میوزک اینڈ آرٹ فیسٹیول وغیرہ شامل ہیں۔ موسم سرما میں برف آلود پہاڑ دیکھنے اور کھیلنے ہر دو سرگرمیوں کے لیے بہترین ہیں۔ مچھلی اور انگور وہاں کی خاص خوراک ہیں کہ شراب بنانے کی فیکٹریوں کا انحصار انہی انگوروں پر ہے۔ کوکب خواجہ کے خیال میں یہ مذہبی رواداری کا عملی مظاہرہ ہے جو میری لینڈ میں مندر، گردوارہ اور چرچ ایک ہی لائن میں ہیں۔ مصنفہ کو جب میری لینڈ میں چودہ اگست گزارنی پڑی تو وہ کلر فُل کلچر کے "سِکس فلیگز تھیم پارک" چلی گئیں جہاں سپین کا کلچر، کاؤبوائے کلچر، فرانس کا کلچر گویا نقلِ مکانی کر کے آنے والوں کی تسکین کا سارا سامان میسر تھا۔

کوکب خواجہ نے امریکی سماج میں بنیادی انسانی حقوق کی پاس داری کے جو معاملات دیکھے وہ عین اسلامی تعلیمات پر مبنی تھے۔ مصنفہ نے اپنے سماجی شعور کی بدولت قارئین کو آگاہ کیا کہ امریکہ میں کئی مقامات پر بورڈ پر آنکھ بنی ہوئی ہے جسے "Neighbours Eye" کہا جاتا ہے، جس کا مطلب ہے "ہمسائے ایک دوسرے کا خیال رکھیں اور مدد کریں" جبکہ وطن عزیز میں یہ بات مذہب میں "ہمسایوں کے حقوق" اور سماج میں "ہمسایہ ماں جایا" تک محدود ہے۔

کوکب خواجہ ہلکے پھلکے انداز کے حامل مزاح سے مزین اسلوب سے قارئین کے دلوں کو لبھاتے ہوئے اپنے مدعا کو بیان کرنے کے ہنر سے واقف ہیں۔ وہ اپنی زندگی میں کیے جانے والے اسفار کو سپرد قلم کر کے نہ صرف حدودِ ادب میں داخل ہوئیں بلکہ عوام

کو بھی دلچسپ اور سادہ انداز میں معلومات فراہم کر کے ان کے دلوں میں گھر کر لیا۔ ممتاز مفتی نے انھیں "سچے جذبوں کی ترجمان" کہا، احمد ندیم قاسمی نے ان کی تحریر کی سادگی اور سچائی کی تعریف کی، نیز انھیں امجد اسلام امجد کی زبانی یہ مژدہ بھی سننے کو ملا کہ ان کی کتاب "نی ہاؤ" (جاپان کا سفر نامہ) ڈاکٹریٹ کرنے والوں کے نصاب میں شامل کی گئی ہے۔[۲۰]

"ہیلو امریکہ" کوکب خواجہ کا ایسا سفر نامہ ہے جس میں وہ سفر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے قارئین کو بھی اپنے اُن لمحات میں شریک کر لیتی ہیں جو اُنھوں نے غور و فکر، مشاہدے یا حظ اٹھاتے ہوئے گزارے۔ مصنفہ امریکی زندگی کی رعنائیوں سے مرعوب تو ہوتی ہیں لیکن وہاں کی مشینی زندگی، جس کا انت تنہائی ہے، کو بھی نمایاں کرتی ہیں۔ فرسٹ ورلڈ کے باشندوں کا ملکِ پاکستان کے لوگوں سے موازنہ اور مقابلہ ان کا دل پسند مشغلہ ٹھہرا۔ اِس شغل بازی میں بعض مقامات پر ان کا اظہارِ تشکر بھی نظر آتا ہے اور کچھ جگہوں پر اک حسرت بھری آہ بھی۔ مصنفہ کی یہ تحریر امریکہ کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر ایک جاندار اور بھرپور سیاسی و سماجی تبصرہ و تجزیہ ثابت ہوتی ہے۔

"امریکہ کے سو رنگ" سفر نامہ مستنصر حسین تارڑ کی سن ۲۰۲۰ء کی تخلیق ہے۔ اس سفر نامے میں مصنف ایک باذوق مسافر اور حقیقی دانشور کی حیثیت سے امریکی مناظر فطرت، سماج اور قوانین کو سراہتے ہوئے قارئین کو اپنا ہمنوا بنا لیتے ہیں۔ نیو یارک میں مصنف کی آمد پر ان کے دوست، ممتاز حسین نے ان کے اعزاز میں ایک پروگرام رکھا جس میں منٹوں سیکنڈوں تک کو پیسے میں تولنے والے غیر ملکی امریکی باشندے بہر طور پہنچے تھے۔ مصنف نے جب "آٹوا" ایئر پورٹ کے امیگریشن کاؤنٹر پر تعینات ایک کینیڈین خاتون کا مخصوص رویہ دیکھا تو حیران رہ گئے کہ واقعی کینیڈین عوام کا امریکی لوگوں سے رویہ متعصبانہ ہی ہے۔ اس سلسلہ میں مصنف کا سیاسی بصیرت پر مبنی تبصرہ ہے کہ:

> "اسی مخاصمت کی وجہ سے گیارہ ستمبر کے دن جڑواں مینار مسمار کر دیئے گئے اور امریکہ میں کم از کم غیر قانونی مسلمانوں پر جو عتاب نازل ہوا تو ان میں سے بیشتر نے کینیڈا کا رُخ کیا اور انھیں بخوشی قبول کر لیا گیا۔"[۲۱]

تارڑ صاحب کے مطابق مانٹریال قدیم یورپی شہر ہے جس کی ثقافت، رہن سہن، لباس، موسیقی اور کھانوں میں پنجاب کی مانوس جھلک دکھائی دیتی ہے۔ مصنف کو ٹورنٹو اور مانٹریال دونوں معاشرتوں کے پروردہ افراد کے طرزِ زندگی میں نمایاں فرق نظر آیا جو ان کی اپنی اپنی پہچان ہے۔ اس سلسلہ میں تارڑ صاحب رقم طراز ہیں کہ:

> "جہاں ٹورنٹو ایک چھوٹا سا نیو یارک ہے، انگریز رکھ رکھاؤ اور رواجوں کی ذہنیت کا شہر ہے۔ وہاں مانٹریال کے گلی کوچوں اور عمارتوں کے روپ میں پیرس کی خوشبو ہے۔۔۔ یہ شخص ٹورنٹو کا ہے کہ وہ اکڑا چلا آرہا ہے اور ٹویڈ کے کوٹ میں ملبوس ہے اور اس کی مونچھیں تمباکو کے دھوئیں سے بھوری ہو رہی ہیں اور یہ حضرت یقیناً مانٹریال کے ہیں کہ ذرا بانکے اور چھیل چھبیلے ہیں اور ایک انداز سے چلتے ہیں اور کھانے کے ساتھ بیئر کی بجائے ارغوانی مشروب کو عزیز رکھتے ہیں۔"[۲۲]

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 17. Issue 01, June 2025

مصنف کی سماجی بصیرت نے مانٹریال کو ایک "فراخ دل شہر" کے طور پر جانا کہ وہاں کشکول بھرنے والے بے شمار ہیں۔ بہت سے پاکستانیوں نے بھی گواہی دی کہ سہارے سے چلنے والے افراد جب کلیسا کی چوٹی چھو آئیں تو اکثر شفایاب لوٹتے ہیں۔ مختلف مذاہب کے پیروکار حتیٰ کہ لادینیت کے حامی افراد بھی عقیدت مندوں میں شامل ہیں۔ وہاں بہت سی متروک بیساکھیاں اور وہیل چیئرز ان کی شفایابیوں کی گواہ ہیں۔

مصنف نے کیوبا کے سماج پر غور و فکر کیا تو اس کے نواح کو بے ہنگم، صاف ستھرا اور شانت صوفی شہر قرار دیا جس کے طرزِ تعمیر میں پیرس کی دلکشی تھی۔ مصنف کو کیوبا اپنے کراچی کی یاد دلاتا رہا جہاں کے آباد کار زیادہ تر مہاجر ہیں۔ دنیا میں آبادی کے لحاظ سے سب سے زیادہ ڈاکٹر، اسی بہترین میڈیکل سسٹم کی دین ہیں۔ کشمیر کے زلزلہ میں سب سے زیادہ میڈیکل سٹاف اور ادویات کا ستر وہی کی طرف سے پاکستان بھجوائی گئی تھیں۔ وہاں کی خواتین فرانس کے زیرِ اثر حسن و جمال سے بھرپور اور نزاکت میں اپنے حسن سے بخوبی واقف تھیں۔ کیوبک کے لیے تارڑ صاحب کا کہنا ہے کہ اس کو دیکھنے کے بعد انسان بس مر جائے، کہ پھر زندگی میں کچھ کرنے کو باقی نہیں بچتا۔

کیلگری کی معیشت کا دارومدار وہاں کے تیل اور گیس کے ذخائر پر ہے۔ یہاں ایسے خوبصورت مقامات ہیں کہ دنیا بھر کے سیاح بالخصوص جاپانی یوں آتے ہیں کہ انہی کے مسکن لگتے ہیں۔ جان لیوا برفانی وحشت والے اس شہر کو مصنف نے تنہائی کا شکار پایا۔ خوراک اور رہائش سے محروم افراد سے امریکی معاشرت بھی پاک نہیں۔ اگر کوئی مسلمان ان کی مدد کرے تو وہ حیران ہوتے ہیں کہ مسلمان تو صرف اسامہ بن لادن جیسے شدت پسند ہوتے ہیں۔ مصنف پاکستان اور عرب ممالک دونوں کے اسلامی اقدار کے زوال پر متفکر ہیں۔ ان کا عالمی سیاست، سماج، تاریخ اور مذہب کے افکار پر مبنی تبصرہ نہایت اہم ہے کہ:

> "میرا یقین ہے کہ اگر اسلام کی عظمتِ رفتہ کے بحال ہونے کے امکان ہیں تو یہ یورپ اور امریکہ میں ہیں۔ پاکستان اور سعودی عرب وغیرہ میں نہیں"(۲۳)

مستنصر حسین تارڑ تقریباً ہر برس موسم گرما امریکہ کی ریاست فلوریڈا میں گزارتے ہیں جہاں کے موسم سہانے اور ساحل نیلگوں ہیں۔ امریکہ کے قریب المرگ امیر بوڑھے یہیں جاتے ہیں کہ نسوانی حسن بکثرت دیکھنے کو ملتا ہے۔ میامی کو مصنف نے گناہگاروں کی جنت پایا، جس کا تعارف ان کے الفاظ میں کچھ یوں ہے:

> "مائمی آرلینڈو سے مسلسل تین گھنٹے کی مسافت پر واقع سمندری شہر تھا۔ امریکہ بھر کے امیر بوڑھوں، منشیات فروشوں، معزز ہو چکے جرائم پیشہ افراد، خوش بدن ہر نگ و روپ کی حسین طوائفوں، گینگسٹر حضرات اور دنیا بھر کے سورج اور ساحلوں کے پجاری سیاحوں کا شہر تھا۔"(۲۴)

مستنصر حسین تارڑ جب امریکہ کے جنوبی اختتام پر موجود قصبے "کی ویسٹ" کی طرف رخ کرتے ہیں تو وہاں کے سرخ کلغی والے مرغ کو قانونی تحفظ میں پاتے ہیں۔ ایک جگہ کچھوؤں کے ہسپتال میں بیمار، بزرگ اور لاوارث ہر قسم کے کچھوؤں کے بہترین

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 17. Issue 01, June 2025

انتظامات دیکھتے ہیں۔ امریکی معاشرت کی خاصیت ہے کہ اس میں جانوروں، حیوانوں، چرند پرند حتیٰ کہ درندوں اور مکوڑوں کے تحفظ کے لیے بھی اقدامات ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ نے نیویارک کے کوچوں کا مشاہدہ کرتے ہوئے شاہد چغتائی کے قول کی تصدیق کی کہ یہاں جیسی بھی عورت کا تصور کریں گے چند منٹ کے بعد وہ سامنے ہوگی اور یہ معاملہ صرف عورت کی حد تک محدود نہیں۔ مصنف کے مطابق:

" یہ رنگا رنگی صرف انسانوں میں ہی نہیں نیویارک کے تہواروں، میلوں ٹھیلوں اور کھانوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ آپ دنیا کے کسی بھی کھانے کو تصور میں لائیے وہ کسی نہ کسی ریستوران میں میسر آجائے گا۔"(۲۵)

مصنف نے مختلف پالیسیوں کا جب ناقدانہ بصیرت سے موازنہ کیا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ امریکہ کا گھمنڈ ہے جس نے عراق، افغانستان اور لیبیا کو میدانِ جنگ بناڈالا اور بے شک وہ اسرائیل کی بھی پُشت پناہی کرتا ہے لیکن پھر بھی دنیا بھر کے مقابلہ میں سب سے زیادہ مذہبی آزادی یہیں پر ہے۔ بقول مصنف:

"یہ نیویارک کا یہودی میئر ہے جو مسمار شدہ جڑواں ٹریڈ سینٹر کے ملبے کے قریب مسلمانوں کو 'قرطبہ ہاؤس' تعمیر کرنے کی اجازت دیتا ہے کہ یہ ان کا آئینی حق ہے۔"(۲۶)

مستنصر حسین تارڑ کے خیال میں نہ تو یورپ کے پاس اجناس ہیں نہ مصالحہ جات، نہ خوشبوئیں اور نہ ہی ذائقے۔ صرف تنظیم اور معیار کی برقراری نے عالمی سطح پر میکڈانلڈ، پیزاہٹ، کے ایف سی، ڈنکن ڈونٹس، اور سب وے جیسی فوڈ چینز کی مانگ میں اضافہ کیا ہوا ہے۔ یہ کسی بھی مسافر کو اس کے اپنے گھر اور ملک میں ہونے کے احساس کو اجاگر کرتی ہیں۔ امریکہ میں سینکڑوں ثقافتیں اور کئی مذاہب کے لوگ ہیں، انھوں نے مشترکہ معبد خانوں کے لیے معروف کھلاڑیوں، فن کاروں اور سیاستدانوں کو اپنا خدا بنالیا۔ تارڑ صاحب کے مطابق:

"مائیکل جیکسن، جیک کینیڈی اور ابراہیم لنکن سب کے سب امریکی روحانی ثقافت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ مجسمہ آزادی، گرینڈ کینن، ایمپائر سٹیٹ بلڈنگ، کرائسلر بلڈنگ، راک فیلر سنٹر، ٹائمز سکوئر، ففتھ ایونیو، پارک ایونیو، مین ہیٹن، کوئنز برج۔ یہ سب امریکیوں کے معبد ہیں۔"(۲۷)

مصنف امریکہ کی سیاست کو لائقِ تنقید سمجھتے ہیں کہ وہ کمزور ممالک پر جنگ مسلط کرنے والا ملک ہے۔ اس کے باوجود مصنف کی سیاسی اور سماجی بصیرت منتج ہے کہ امریکہ نے اپنی سرزمین پر جو مذہبی آزادی دے رکھی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اگر امریکہ کے آئین کی پاسداری کرتے رہو تو ہر قسم کی آزادی کی زندگی آپ کا مقدر ٹھہرتی ہے۔ مصنف جب وہاں کی مٹی اور پیداوار پر غور کر رہے تھے تو ان کی نظر ٹیولپ (گلِ لالہ) پر پڑی جو ترکی سے مستعار لیا ہوا پودا تھا۔ امریکی جس بھی شے، فرد، مذہب، ثقافت یا علاقے کو اپنے دامن میں سمو لیتے ہیں وہ ان کی ہو کر ان کی ہی دِکھنے لگتی ہے۔ تارڑ صاحب نے اپنا آخری دورہ والٹ وہٹ مین کے گھر کا کیا جسے

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 17. Issue 01, June 2025

حکومت نے قومی ورثہ کے طور پر محفوظ کر لیا ہوا ہے۔ یہ ایک اَن پڑھ شاعر تھا جس کی شاعری کی کتاب "لیوز آف گراس" عالمی شہرت کی حامل ٹھہری، جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ:

"لیوز آف گراس۔۔۔ میں تصوف، قدرتی مناظر، جنس اور سیاسی شعور یکجا ہو گئے ہیں۔"(۲۸)

مستنصر حسین تارڑ کے سفر ناموں کی انفرادیت، ان کا عمیق مشاہدہ، ذوقِ سفر اور منفرد اُسلوب ہے۔ "امریکہ کے سو رنگ" میں مصنف نے امریکہ کی دو ریاستوں کینیڈا اور نیویارک کے مختلف تضادات، رنگوں، اور خوبصورتیوں کا ذکر کیا ہے۔ اپنے شعور، علم اور تجربات کی بدولت امریکی ریاستوں کے سماج اور سیاست پر مصنف نے بلاواسطہ اور بلواسطہ جو بھی تبصرے کیے ہیں وہ کماحقہ درست معلوم ہوتے ہیں۔ وہ خود بھی چونکہ متجسس مسافر اور فنکار ہیں اس لیے وہ امریکی عوام کی سچائی کی تلاش اور حق بات کا ساتھ دینے کی روش کو پسند کرتے ہیں۔ المختصر یہ سفر نامہ بھی مستنصر حسین تارڑ کے مقبول ترین سفر ناموں میں سے ایک ہے، جس نے مصنف کی شہرت کی بلندیوں کو برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔

اس تحریر میں اکیسویں صدی کے، چار مختلف مصنفین کے، امریکی سفر ناموں کا سیاسی و سماجی تجزیہ پیش کیا گیا ہے جو زمانی اعتبار سے مختلف سنین میں منظرِ عام پر آئے۔ یہ سفر نامے نہ صرف کثیر الثقافت امریکہ کی سیاحت سے متعلق معلومات کا خزینہ ہیں بلکہ بین الاقوامی میڈیا کی عکاسی سے بڑھ کر غیر جانبدارانہ طور پر حقائق کا بیانیہ بھی ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی کے دور میں جب دنیا گلوبل ولیج بن گئی ہے تو سپر پاورامریکہ کے اندرونِ ملک معاملات اور بیرونِ ملک تعلقات سے اس خطہ ارضی پر موجود ہر علاقہ متاثر نظر آتا ہے۔ تیسری دنیا کے باشندے فرسٹ ورلڈ کی عوامی زندگیوں اور حکمرانوں کی حکمتِ عملیوں کو جاننے کے لیے بے تاب رہتے ہیں کہ کس طرح امریکہ ترقی کرتے ہوئے عالمی سطح پر اپنی دھاک بٹھاتا جا رہا ہے۔ یہ سفر نامے ایسے میں قارئین کے لیے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔ ان سفر ناموں میں مصنفین نے مشترکہ طور پر امریکہ کی تاریخ کو مد نظر رکھتے ہوئے اس سماج میں رنگ و نسل کے تفاوت، سرمایہ دارانہ نظام، آزادانہ جنسی اختلاط، نسبتاً کمزور خاندانی نظام، ضعیف العمری کی تنہائی اور بے بسی، مادیت پرستی، گَن کلچر کے فروغ، بے گھری کے مسائل، انتخابی نظام میں پیچیدگیاں، اندرونی سیاسی نظریاتی تصادم، امیگریشن اور مہاجرین کے لیے سخت قوانین اور کمزور ممالک میں غیر قانونی مداخلت جیسے مسائل کو اجاگر کیا ہے جو بعض ناقدین کی نظر میں ابھی بھی حل طلب ہیں۔ قارئین ان سفر ناموں کی بدولت امریکی شہروں کی ترقی، نظم و ضبط، قانون کی پیروی، صفائی کے نظام، روبوٹک ٹیکنالوجی کے فروغ، عوامی احتجاج کے کلچر، آزادیِ اظہار، اداروں کی خود مختاری، آزادیِ مذہب، تعلیم و صحت کے نظام، انسانوں حتیٰ کہ جانوروں کے حقوق کی پاس داری جیسی اس ملک و قوم کی اُن خصوصیات سے آگاہ ہوتے ہیں جو امریکہ کو ترقی پسند بناتی ہیں اور یہی زندگی تیسری دنیا کے باشندوں کا خواب بھی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب میں سفر نامہ، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، طبع دوم، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۶۴
۲۔ فاروق عادل، ایک آنکھ میں امریکہ، دوست پبلیکیشنز، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء، ص ۱۷

۳۔ ایضاً، ص ۷۱

۴۔ ایضاً، ص ۱۰۶

۵۔ ایضاً، ص ۱۴۲

۶۔ ایضاً، ص ۱۴۱

۷۔ ایضاً، فلیپ

۸۔ رضاء الحق صدیقی، دیکھا تیرا امریکہ، زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور، ۲۰۱۶ء، ص ۲۶-۲۷

۹۔ ایضاً، ص ۴۷

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۱۲

۱۱۔ ایضاً، ص ۶۴

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۲۰

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۵۹

۱۴۔ کوکب خواجہ، ہیلو امریکہ، جمہوری پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص ۲۰-۱۹

۱۵۔ ایضاً، ص ۲۶

۱۶۔ ایضاً، ص ۴۵

۱۷۔ ایضاً، ص ۴۰

۱۸۔ ایضاً، ص ۸۰

۱۹۔ ایضاً، ص ۳۹

۲۰۔ ایضاً، ص ۹

۲۱۔ مستنصر حسین تارڑ، امریکہ کے سو رنگ، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۲۰ء، ص ۲۱

۲۲۔ ایضاً، ص ۳۷-۳۶

۲۳۔ ایضاً، ص ۴۳

۲۴۔ ایضاً، ص ۸۵

۲۵۔ ایضاً، ص ۱۴۵

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۴۶

۲۷۔ ایضاً، ص ۱۵۱

۲۸۔ ایضاً، ص ۱۹۶

References in Roman Script:

1. Anwar Sadeed, Dr,Urdu adab mein Safarnama, Maghrbi pakistan urdu academy, Lahore,taba dom,2017,p.64
2. Faroq adil, Aik ankh mein America, Dost publications, Islamabad, 2011, P.17
3. Ibid, p.71
4. Ibid, p.106
5. Ibid, p.142
6. Ibid, p.141
7. Ibid, p.Flap
8. Raza ul haq siddiqi, Dekha tera America, Zahid bashir printers,lahore, 2016, p.26-27
9. Ibid, p.47
10. Ibid, p.112
11. Ibid, p.64
12. Ibid, p.120
13. Ibid, p.159
14. Kokab Khawaja, Hello America, Jamhori publications, Lahore, 2018, P.19-20
15. Ibid, p.26
16. Ibid, p.45
17. Ibid, p.40
18. Ibid, p.80
19. Ibid, p.39
20. Ibid, p.09
21. Mustansar Hussain tarar, America kay so rang, Sang e mil Publications, Lahore, 2020, p.21
22. Ibid, p.36-37
23. Ibid, p.73
24. Ibid, p.85
25. Ibid, p.145
26. Ibid, p.146
27. Ibid, p.151
28. Ibid, p.196

Ms. Nayab Tahir is currently pursuing a PhD in the Department of Urdu at the University of Education, Lower Mall Campus, Lahore, Pakistan. She is also serving as a teacher in the Punjab Education Department. She earned her MPhil in Urdu from the International Islamic University, Islamabad.